Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 5, Issue 1
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

ایسوسی ایٹ پروفیسر، اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

علامہ اقبال کا ایک شاگرد اور مقلّد-اسلم

Dr.Arshad Mahmood Nashad
Associate Professor Urdu Allama Iqbal Open University, Islamabad,

A Disciple And Follower Of Allama Iqbal - Aslam

Allama Muhammad Iqbal was a great poet and thinker of the 20th century. With his extraordinary creativity, he laid the foundation for a great change in the world of Urdu and Persian poetry and literature. Not only did he infuse poetry with new themes, but his achievement in art is also exceptional. Iqbal expanded the boundaries of poetry by creating new symbols, new metaphors, new similes and new patterns.His poetic style has immense appeal. Even during Iqbal's time and even after his death, many poets tried to follow his poetic style, themes and ideas, but no one could achieve success up to his standards. Among the few poets who have achieved great success in following the thoughts and style of Iqbal, the most prominent name is that of Aslam.Aslam Khan was a resident of Ghor Ghshti, a village of Attock district. He was a powerful poet of Persian and Urdu. His Urdu poetry is a successful and unique attempt to follow Iqbal. He also took correction in poetry from Iqbal, in this sense he was considered as Iqbal's disciple. In this article, the aspects of Aslam Khan's poetry are clarified with examples which are very similar to Iqbal's poetic style.

Key words: Allama Iqbal, Poetic Style, Urdu Poetry, Aslam Khan, Iqbal’s Disciple

علامہ محمد اقبال [۱۸۷۷ء تا ۱۹۳۸ء] بیسویں صدی کی اُن اکابر شخصیات میں سے ایک ہیں، جنھوں نے اپنے علم و فن اور فکر و فلسفہ سے پورے عالم کو متوجّہ کیا۔ عام طور پر انھیں پاکستان کا قومی شاعر، برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کا مصلح اور کرۂ ارض پر بسنے والے مسلمانوں کا غم گسار اور درد مند کہا جاتا ہے۔ اس میں شُبہ نہیں کہ اقبال ملتِ اسلامیہ کے نقیب اور ترجمان ہیں اور وہ انھیں غلامی، ذلت اور نکبت کے عمیق گڑھوں سے نکال کر سربلند و سرفراز دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ اُنھوں نے مسلمانوں کو ان کا شان دار ماضی یاد کرا کے ان کے حال کو روشن اور فردا کو روشن تر بنانے کا درس دیا ہے۔ بااین ہمہ اقبال کو محض مسلمانوں کا شاعر اور مفکر قرار دینا درست نہیں، وہ بنی نوعِ آدم کے شاعر ہیں اور انسانیت کی فلاح و فوز اُن کے فکر و فلسفہ و شعر کا موضوع ہے۔

اقبال فلسفی بھی ہیں اور شاعر بھی۔ اُن کا کمال یہ ہے کہ اُنھوں نے فلسفے کی ثقالت، درشتی اور خشکی کو تغزل کی سرشاری عطا کر کے فلسفے کو شعر اور شعر کو فلسفے میں اس طرح گوندھ دیا ہے کہ دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ پروفیسر حمید احمد خاں کے بقول: ” اس کا فلسفہ اس کے شعر سے، اس کا شعر اس کے فن سے، منفصل نہیں ہو سکتا۔“(۱)

اقبال کی شعر گوئی کا آغاز روایتی رنگِ سخن کے سائے میں ہوا۔ انھوں نے زبان کے اسرار و رموز سیکھنے کے لیے اپنے وقت کے سب سے مقبول استاد داغ دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ داغ دہلوی قدیم مشرقی شعری روایت کا وارث اور زبان و بیان کے تمام وسیلوں اور پیکروں سے آشنا تھا۔ اقبال نے بہت جلد اس رنگِ شعر کو اپنا لیا اور نو مشقی کے زمانے ہی میں سادگی، صفائی، بے تکلفی، شوخی اور زبان کے آرائشی عناصر کے تال میل سے ایسے شعر کہنے لگے جنھیں دبستانِ داغ کے اعلا شعری نمونوں میں شامل کیا جا

سکتا ہے۔ تاہم اقبال فکر و فن کی اس حریم میں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے۔ ان کا سوزِ دروں، ان کی فکرِ بلند اور اُن کا احساسِ خوش رنگ روایت کی اس چہار دیواری میں قید نہ رہ سکا اور وہ:

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی

رستہ بھی ڈھونڈ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

(بانگ درا)

کہتے ہوئے ایسے راستوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے جو نئی منزلوں اور نئے جہانوں کی خبر دیتے ہیں۔ اقبال کے فکر و فن نے مشرقی شعریات کی جُوئے کم آب میں تلاطم پیدا کر دیا۔ لفظیات کے شکوہ، فکر کی بے کرانی، جذبے کے تموج اور اسلوب کے جلال نے مشرق کے شعری پیمانوں کو یک لخت نئے ذائقوں سے روشناس کیا۔ موضوعات کی نُدرت و وسعت، الفاظ و تراکیب کی جدت و حرارت اور اظہار و بیان کی نئی لطافتوں نے انفرادیت کا ایک ایسا نقشِ لازوال خلق کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اقبال نے فکر و فن کے امتزاج سے جو اسلوب وضع کیا صحیح معنوں وہ اس کے موجد بھی ہیں اور خاتم بھی۔ رنگِ اقبال کی انفرادیت، دل پذیری اور رعنائی نے وابستگانِ شعر و ادب کو اپنی طرف متوجّہ کیا اور عہدِ اقبال ہی میں شعرا اُن کے رنگِ سخن کی تقلید کرنے لگے۔

حجازی لے میں ڈوبے ہوئے رنگِ اقبال نے نئے لکھنے والوں کو ہی اپنی طرف نہیں کھینچا بل کہ پُرانے اور سکہ بند استادانِ سخن بھی پروانہ وار نثار ہونے لگے۔ اگرچہ رنگِ اقبال کو تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ حریمِ شعر میں اُتار لانا کارِ آساں نہ تھا تاہم شعرا نے اپنی اپنی استعداد اور لیاقت کے مطابق اقبال کے فکر و فن سے کسبِ فیض کیا اور اپنے شعر و ادب کو رنگِ اقبال کی ضیا پاشیوں سے مستنیر کرنے کا جتن کیا۔ اقبال کے مقلدین میں محمد اسلم خان کا نام بھی شامل ہے۔ محمد اسلم خان پنجاب کے ایک دُور افتادہ علاقے سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے ان کا نام اور کام اقبال شناسوں کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ مجھے اپنی کم علمی اور بے بصری کا کامل ادراک ہے اس کے باوجود میرا دعویٰ ہے کہ مقلدینِ اقبال میں محمد اسلم خان کا پایہ بہت بلند ہے۔ انھوں نے اقبال کے فکر و فن سے اس طرح اکتساب کیا کہ اُن کا کلام رنگِ اقبال کا پرتو دکھائی دیتا ہے۔

[۲]

محمد اسلم خان علاقۂ چھچھ ضلع اٹک کے مردم خیز قصبے غورغشتی (۲) کے رہنے والے تھے۔ ان کا تعلق پٹھانوں کی معروف قوم اسد خیل (سیدو خیل) سے تھا۔ (۳) ان کے اجداد، پیدائش اور تعلیم کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ ان کی زندگی کے بیشتر حالات ہنوز پردۂ اخفا میں ہیں۔ یہاں تک کہ علاقہ چھچھ کے مؤرخ سکندر خان نے بھی اپنی کتاب دامنِ اباسین میں ان کا سرسری سا تذکرہ کیا ہے، جس سے اسلم کی زندگی اور احوال پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ ''غورغشتی'' کے تعارف میں سکندر خان رقم طراز ہیں:

موضع غورغشتی کے ایک قابل شخص محمد اسلم خان صاحب ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ جیل تھے جو فارسی اور اُردو زبان میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ ان کا اُردو مجموعہ کلام کا نام ''نغمۂ جاوید'' ہے جو ۱۹۳۶ء میں پہلی بار لکھنؤ سے شائع ہوا۔'' (۴)

سکندر خان نے اس مختصر ذکر کے بعد لکھا کہ اسلم کے تفصیلی تعارف کے لیے شعرا اور ادبا کا باب دیکھیے۔ مگر مذکورہ باب میں بھی یہی سرسری سا بیان دے کر ان کا کچھ کلام بہ طور نمونہ شامل کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

'' محمد اسلم خان کا تعلق موضع غورغشتی سے تھا، مرحوم داروغۂ جیل تھے۔ انھوں نے فارسی اور اُردو میں ایک نادر مجموعہ کلام چھوڑا ہے۔ اُردو مجموعہ کا نام ''نغمۂ جاوید'' ہے جو ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ شہر سے شائع ہوا تھا۔ اس مجموعے میں ستر متفرق قسم کی نظمیں ہیں۔'' (۵)

اس سرسری تعارف میں سکندر خان کے دو بیانات تحقیقی حوالے سے درست نہیں۔

۱۔ ''انھوں نے فارسی اور اُردو میں ایک نادر مجموعہ کلام چھوڑا ہے۔'' اگرچہ محمد اسلم خان اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے مگر ان کا فارسی کلام اشاعت آشنا نہ ہو سکا۔ نغمۂ جاوید ان کا اُردو مجموعہ کلام ہے۔

۲۔ ''اس مجموعے [نغمۂ جاوید] میں ستر متفرق قسم کی نظمیں ہیں۔'' اسلم کے مجموعہ کلام نغمۂ جاوید میں ستر نظمیں اور اڑسٹھ غزلیں شامل ہیں۔

محمد اسلم خان سپرنٹنڈنٹ جیل تھے۔ اُنھوں نے ملازمت کا زیادہ عرصہ ہری پور اور ملتان میں گزارا۔ غالباً ملتان ہی میں اُنھوں نے مدتِ ملازمت پوری کی اور وہیں سے سبک دوش ہوئے۔ ملتان کی معروف علمی و سماجی شخصیت شیر محمد خاموش ایڈوکیٹ کے ساتھ اُن کے دوستانہ مراسم تھے۔ ملازمت سے سبک دوشی کے بعد وہ اپنے آبائی گاؤں غورغشتی آ گئے اور زندگی کا باقی حصہ یہیں بسر کیا۔ ۱۹۶۵ء میں غورغشتی ہی میں انھوں نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور پیوندِ خاک ہوئے۔ محمد اسلم خان کا علمی و ادبی اثاثہ مرورِ ایام کی

دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ اولاً یہ کہ وہ گوشہ نشین آدمی تھے، دوست احباب اور علمی وادبی محفلوں سے کنارہ گیر رہے۔ اس وجہ سے علمی وادبی حلقوں سے تعلق رکھنے والے بیش تر افراد ان کے حالات اور آثار سے ناآشنا رہے۔ ثانیاً انھوں نے اپنے کلام اُردو اور فارسی کی اشاعت پر خود توجہ نہ دی، اگرچہ وہ مرفہ الحال تھے اور نہایت آسانی سے اپنے آثارِ علمیہ کو محفوظ کر سکتے تھے۔ ثالثاً ان کی اولاد اس ذوق وشوق سے بیگانہ تھی کہ اپنے والدِ گرامی کا سرمایۂ حیات محفوظ رکھ سکتی۔

محمد اسلم خان عرصۂ تعلیم کے دوران میں یا ابتدائی زمانۂ ملازمت میں لاہور میں مقیم رہے۔ یہاں انھیں مولانا تاجور نجیب آبادی کی سرپرستی اور قرب حاصل رہا جس کا ذکر اُنھوں نے اپنی نظم ''تاجور کی جدائی میں'' میں یوں کیا ہے:

یاد ایام کہ تھا لاہور میں مسکن مرا
تاجور تیری گلی میں تھا کبھی گلشن مرا
فیض سے تیرے کھلا ہر لالہ و سوسن مرا
خاک تھا، اکسیر تو نے کر دیا تن من مرا
تاب بخشی ذرۂ ناچیز کو خورشید کی
رہ دکھائی خاطرِ مایوس کو اُمید کی (٦)

اقبال سے اسلم کی عقیدت وارادت کے پیشِ نظر یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ قیامِ لاہور کے دوران میں اقبال کے ہاں بھی حاضری دیتے رہے ہوں گے اور ان کی صحبت سے اکتسابِ فیض کرتے رہے ہوں گے۔ شاید انھوں نے اقبال سے اپنے کلام پر اصلاح بھی لی ہو۔ ۱۹۶۳ء میں معروف محقق اور ادیب نذر صابری (٧) نے ان سے ایک طویل ملاقات کی۔ اس ملاقات میں اُنھوں نے اسلم کا فارسی کلام بھی دیکھا جو بقول ان کے ایک بڑے رجسٹر میں خوش خط تحریر تھا اور اس میں ساٹھ ستر سے زیادہ فارسی منظومات درج تھیں۔ اس ملاقات میں صابری صاحب نے ان کے نام اقبال کا ایک خط بھی دیکھا تھا۔ راقم کی درخواست پر نذر صابری صاحب نے حافظے کی مدد سے اقبال کے اس خط کی ایک روایت تحریر کی ہے۔ یہ تحریری روایت درج ذیل ہے:

''یہ تحریر پوسٹ کارڈ پر لمبائی کے رُخ کوئی چار سطروں پر مشتمل تھی۔ ۱۹۶۳ء میں اس خط کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا اب ۴۵ سال کے بعد حافظہ میں جو مدھم سا نقش رہ گیا تھا اسے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اقبال سے اعتذار کے ساتھ۔

اسلم خان کے نام علامہ اقبال کا خط

ڈیئر اسلم! سلامِ مسنون۔ اب تمھیں مزید کسی اصلاح کی ضرورت نہیں تاہم صاحبِ مقام شاعر بننے کے لیے مندرجہ ذیل تین باتوں پر عمل ضروری ہے: اوّل یہ کہ اساتذہ کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ ہو تاکہ زبان وبیان میں وسعت پیدا ہو۔ دیگر مناظرِ فطرت کا گہرا مشاہدہ جو رنگینیِ بیان کا باعث ہوگا اور قوموں کے عروج وزوال کا تجزیاتی مطالعہ جو شاعر کو صاحبِ پیغام شاعر کے درجہ پر فائز کرنے کا ضامن ہوگا۔

والسلام

اقبال '' (٨)

نذر صابری صاحب کے غیر معمولی حافظے، تحقیقی استعداد اور علمی دیانت کے پیشِ نظر مجھے یقین ہے کہ پیش کردہ روایت میں اقبال کے خط کے مندرجات کو صحت کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے۔ میرے استفسار پر صابری صاحب نے بتایا کہ خط تاریخ سے عاری تھا۔ خط کا یہ جملہ '' اب تمھیں مزید کسی اصلاح کی ضرورت نہیں۔'' سے اس گمان کو تقویت ملتی ہے کہ وہ پہلے بھی اقبال کی خدمت میں اپنا کلام بہ غرضِ اصلاح ارسال کرتے رہے ہوں گے یوں اقبال سے ان کے رشتۂ شاگردی کی توثیق وتائید ہوتی ہے۔

[۳]

محمد اسلم خان کا علمی وادبی اثاثہ دست بُردِ زمانہ سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ ان کے آثار میں اب صرف ان کا ابتدائی اُردو کلام ہے جو ۱۹۳۶ء میں نغمۂ جاوید کے نام سے سیّد توسل حسین کے اہتمام سے مختار پرنٹنگ ورکس، نیا گاؤں لکھنؤ سے شائع ہوا۔ ظاہر ہے کہ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۶۵ء (وفات) تک تیس سال کے طویل عرصے میں اُنھوں نے اُردو میں

شاعری کی ہوگی جو فکری اور فنی اعتبار سے نغمۂ جاوید میں شامل کلام سے بہتر ہوگی۔ اسلم کا فارسی کلام بھی محفوظ نہیں کہ اس پر رنگِ اقبال کی چھاپ کا جائزہ پیش کیا جا سکے۔ اس لیے اب نغمۂ جاوید پر اکتفا کرتے ہوئے اس کا فکری و فنی جائزہ پیش کیا جاتا ہے اور تقلیدِ اقبال کے اُن رنگوں کی نشان دہی کی جاتی ہے جو کتاب کے ورق ورق اور مصرع مصرع میں صاف جھلکتے دکھائی دیتے ہیں۔

نغمۂ جاوید ستر نظموں اور اڑسٹھ غزلیات پر مشتمل ہے۔ اسلم محض فکرِ اقبال کے خوشہ چین اور مقلد نہیں بل کہ لفظیات، اسالیبِ بیاں، تکنیک، ہیئت اور فن کے دیگر آرائشی عناصر کے استعمال میں بھی وہ اقبال کی پیروی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اقبال سے ان کی ارادت و عقیدت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اُن کے شعری مجموعے کا سائز، کتابت کا انداز، نظموں اور غزلوں کی ترتیب و تنظیم اور کتاب کا مجموعی ظاہری پیکر بھی اقبال کی کتابوں سے پوری طرح مماثلت رکھتا ہے۔ انھوں نے اقبال کے تتبع میں کتاب کے سرورق پر اپنا نام صرف ''اسلم'' درج کیا ہے۔ کتاب کا عنوان نغمۂ جاوید بھی بانگ درا، بال جبریل، ضربِ کلیم وغیرہ سے اثر پذیری کا مرہونِ منت ہے۔ مجموعے میں ''اقبال'' کے عنوان سے ایک نظم شامل ہے جس میں انھیں ''عنانِ توسنِ ملت'' سنبھالنے کی استدعا کی گئی ہے۔ اقبال پر لکھی گئی منظومات میں اس نظم کو اگر اوّلیت کا شرف حاصل نہ بھی ہو تب بھی یہ نظم اقبال پر لکھی گئی ابتدائی نظموں میں اپنے فکر و فن کے اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے۔ ذیل میں یہ نظم پیش کی جاتی ہے:

<u>اقبال:</u>

تیرا دل ہے سوزو سازِ زندگی سے آشنا
زندگی کی تہہ میں پھرتی ہے تری فکرِ رسا
ہم نوا روح القدس اے طائرِ قدسی ترا
شاخِ گلزارِ کہن پر تو ہوا نغمہ سرا
آنکھ گو تیری شہیدِ جلوۂ مستور ہے
تیرے شیشے میں مئے خودداریِ منصور ہے
شعر میں تیرے مسیحا کا دمِ اعجاز ہے
بات تیری نازشِ صد بلبلِ شیراز ہے
کس قدر دل کش تری گفتار کا انداز ہے
زندگی کے سوز سے معمور تیرا ساز ہے
تیرے دل میں محشرستانِ معانی ہے نہاں
تیرے اِک اِک حرف سے نکتے ہزاروں ہیں عیاں
گو کہ دل کش ہے ترے دل کے لیے حسنِ ایاز
تیری منظورِ نظر رہتی ہے لیلائے حجاز
بسکہ غم انگیز ہے تیرے دلِ غمگیں کا راز
درد سے معمور ہے ہر دم تری فطرت کا ساز
تیرے نالوں میں اثر ہے تیرے سوز و ساز کا
اِک جہاں بسمل تری شیرینیِ آواز کا
بگڑی جاتی ہے ہماری قومِ شوریدہ مآل
کھو چکے ہیں ہائے مسلم ہند میں جاہ و جلال
تیری چشمِ دور بیں پر ہے عیاں سارا یہ حال

تو عنانِ توسنِ ملت ذرا لے کر سنبھال
تا کہ منزل پر نظریہ کارواں آنے لگے
آشیاں طائرِ بے آشیاں آنے لگے (۹)

''غالب و اقبال'' کے عنوان سے بھی ایک نظم مجموعے میں شامل ہے جس میں غالب اور اقبال کے رنگِ سخن کا نہایت عمدگی کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے۔ اس نظم کے مطالعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اقبال کے ساتھ ساتھ اسلم کو غالب سے بھی والہانہ عقیدت تھی۔ نظم میں مکالمے کی تکنیک، بیان کا پیرایہ اور لفظیات کا چناؤ اقبال کے رنگ میں پوری طرح رنگا ہوا ہے۔ نظم ملاحظہ ہو:

غالب و اقبال

غالب:

غالب نے آ کے خواب میں اقبال سے کہا
''اے وہ کہ تیرے شعر ہیں از بسکہ دل پذیر
مقبولِ شیخ و شاب ہے تیرا کلامِ گرم
قرباں ہیں تیری طرز پہ ہر نوجوان و پیر
تیرے نفس سے باغِ عرب میں بہار ہے
ملتا نہیں دیارِ عجم میں ترا نظیر''

اقبال:

''میں فیض یاب ہوں ترے شعرِ بلند سے
تو مہرِ پُر ضیا ہے تو میں ہوں مہِ منیر
میں مبتلائے گیسوئے یک دلبرِ حجاز
تو حسنِ جلوۂ سرِ سینا کا ہے اسیر
تھوڑا سا گرچہ فرقِ تخیل ضرور ہے
ملتا ہے میری خاک سے لیکن ترا خمیر
تجھ کو ہے فرد سے تو مجھے قوم سے ہے عشق
اندر نبرِ عشق زیک ترکشے دو تیر
ہیں گرچہ جام دو پہ مئے ارغواں ہے ایک
دونوں پہ فیضِ حضرتِ پیرِ مغاں ہے ایک'' (۱۰)

نغمۂ جاوید میں ستر نظمیں شامل ہیں۔ نظموں کے عنوانات میں بھی فیضانِ اقبال پوری طرح جلوہ گر ہے۔ اسلم کی چند نظموں کے عنوانات دیکھیے:

ملکۂ نور جہان، اذان، گردشِ پیہم، ایاز، مکالمہ، لسان العصر اکبر مرحوم، شاعر و کلیم، چراغ کشتہ، مریم، سبزہ، نمودِ سحر، ترانۂ مسلم، گنگا، غالب و اقبال، دربارِ رسول میں چند دانے اشک کے، حسن، لیلیٰ، دُعا، بچہ اور شاعر، شاعر کی آرزو، اٹھ مسلمِ خوابیدہ، مولانا محمد علی جوہر مرحوم، خطاب بہ لیلیٰ، کسی کی تصویر دیکھ کر........ خموشی پر وغیرہ۔

بعض نظموں کے عنوانات بانگ درا سے مستعار ہیں۔ مشترک عنوان کی حامل نظمیں درجِ ذیل ہیں:

بانگ درا	نغمۂ جاوید
پرندے کی فریاد	فریادِ مرغِ اسیر (ص ۱)
انسان	انسان (ص ۵)
چاند	چاند (ص ۱۷)
حضورِ رسالت مآبؐ میں	حضورِ سرورِ کائنات میں (ص ۲۸)
غرّۂ شوال یا ہلالِ عید	ہلالِ عید (ص ۴۳)
شاعر	شاعر (ص ۶۸)
خطاب بہ نوجوانانِ اسلام	خطاب بہ مسلم (ص ۷۰)
طلبہ علی گڑھ کالج کے نام	طلبہ کیمبل پور کالج کے نام (ص ۷۱)

تقلیدِ اقبال کا یہ رنگ غزلیات میں بھی صاف دکھائی دیتا ہے۔ اسلم نے اقبال کی کئی زمینوں میں غزلیں کہی ہیں۔ موضوعات کا وہی تنوع، لفظیات کا وہی تجمل اور اسلوب کا وہی شکوہ اسلم کی غزلیات میں دکھائی دیتا ہے جو بانگ درا کی غزلیات کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسلم نے اقبال کی جن زمینوں میں غزلیں کہی ہیں، وہ یہ ہیں:

اقبال: کیا کہوں اپنے چمن سے میں جُدا کیوں کر ہوا (بانگ درا)

اسلم: راز میری مے پرستی کا عیاں کیوں کر ہوا

اقبال: بلاکشانِ محبت کی یادگار ہوں میں (باقیات)

اسلم: نہ چھیڑ بادِ بہاری کہ اشک بار ہوں میں

اقبال: ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی (بانگ درا)

اسلم: اپنی تجلیوں کا تماشا کرے کوئی

اقبال: ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں (بانگ درا)

اسلم: سرِ راہِ ہستی فنا چاہتا ہوں

اقبال: کشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے (بانگ درا)

اسلم: جگر نہ عشق میں جب تک کوئی گداز کرے

اقبال: لاؤں وہ تنکے کہیں سے آشیانے کے لیے (بانگ درا)

اسلم: حُبِ دنیا ہے ہمیں غافل بنانے کے لیے

اقبال: یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہرِ یک دانہ (بالِ جبریل)

اسلم: اِک طرفہ تماشا ہے میرا دلِ دیوانہ

محمد اسلم خان نے ترکیب سازی میں بھی اقبال کی خوشہ چینی کی ہے۔ انھوں نے اکثر ایسی تراکیب استعمال کی ہیں جن پر ساختۂ اقبال کی مہر ثبت ہے۔ جو تراکیب ان کی اپنی فکر کی زائیدہ ہیں ان میں بھی اقبال کا فیضان پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ رنگِ اقبال کی خوش بو میں بسی ہوئی نغمۂ جاوید کی چند تراکیب دیکھیے:

صحنِ گلشن، نو گرفتارِ قفس، مرغانِ سرافراز، ہم صفیرانِ ہمایوں، گلشنِ امکاں، افتخار و نازشِ ہندوستاں، چراغِ طور، رونقِ ایّام، نیرنگیِ چرخِ کہن، آوارۂ شہر و بیاباں و دمن، زندانیِ پیکر، شکستِ پیکرِ انسانی، منت کشِ تاثیر، آمادۂ تعمیر، شاہدِ توحید، دفترِ آتش نوائی، سرمایۂ حسنِ جمیل، گردشِ پیہم، بت خانۂ اصنام، گرویدۂ گمراہیِ اوہام، کارزارِ دہر، ساماں طرازِ عشق، رازِ ظہورِ زندگی، کلیمِ خود فروش، صہبائے تازی، لیلائے حجاز، محشرستانِ معانی، نجاتِ ملتِ بیضا، وادیِ جبریل، بیابانِ تحیر، فریبِ رنگ، شہسوارانِ حجازی، طلسمِ سامری، متاعِ کافری،

بے نیازِ منزلِ دیر و حرم، لالہ زارِ زندگی، کرمکِ جاں سوز، شیوۂ تسلیم، شانِ جہانگیری، فرزندانِ مریم، میراثِ ابراہیم، کوہِ الم، رہ و رسمِ نیاز، دیدۂ قلزم فشاں، کنشتِ زندگی، خرمنِ دل، شبستانِ ایاغ، گرمِ تقاضا، محوِ تمنّا، توحیدِ براہیمی، تثلیثِ کلیسا، رونقِ ہنگامہ اُحرار، غبارِ دیدۂ اغیار، چراغِ قسمتِ ہندوستاں، راہ و رسمِ تازی، نمازِ عشق، شہیدِ جستجو، چشمِ نیاز، کش مکشِ موت و حیات، نغمۂ خوابیدہ، شانِ سلطانی، مئے توحید۔

اسلم کی نظموں میں ہیئتوں کا تنوع بھی اقبال کی تقلید کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے زیادہ تر بانگ درا کی نظموں کے ہیئتی پیمانوں کی تقلید کی ہے؛ یوں ان کی نظمیں مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مثنوی اور غزل کی معروف ہیئتوں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی ہیئتوں میں بھی ہیں جن کا قواعدِ شعر و ادب کی کتابوں میں ذکر نہیں ملتا۔ مثال کے طور پر:

۱۔ نظم ''کدھر رہتا ہے تو؟'' کے تین بند ہیں۔ ہر بند میں گیارہ مصرعے ہیں، پہلے دس مصرعے مثنوی کے اشعار کی طرح ہم ردیف و قافیہ ہیں گیارھواں مصرع الگ ردیف و قافیہ کا حامل ہے۔

۲۔ نظم ''حسن'' چار بندوں پر مشتمل ہے۔ پہلا بند چھے، دوسرا پانچ، تیسرا تین اور چوتھا بند دس اشعار پر مشتمل ہے۔

۳۔ نظم ''بہار'' کے دو بند ہیں۔ پہلا بند چار اشعار کا حامل ہے، جس کے پہلے تین اشعار ہم ردیف و قافیہ ہیں اور چوتھا شعر الگ ردیف و قوافی کا حامل ہے۔ دوسرا بند سات اشعار پر مشتمل ہے، چھے شعر ہم ردیف و قافیہ اور ساتواں الگ۔

۴۔ اسلم نے ''موسمِ بہار'' کے عنوان سے جو نظم کہی ہے وہ اپنی ہیئت اور تکنیکی خال و خط کے اعتبار سے پیامِ مشرق کی نظم ''فصلِ بہار'' سے گہری مماثلت رکھتی ہے۔ اقبال کی نظم کا ہر بند سات مصرعوں کا حامل ہے۔ ہر بند کا پہلا اور آخری مصرع ایک ہی ہے، درمیان میں پانچ مصرعے ہیں جو وزن میں پہلے اور آخری مصرعے کا نصف ہیں۔ اسلم نے اس میں یہ کمی کی ہے کہ درمیان میں پانچ کے بجائے چار مصرعے رکھے ہیں۔ منظر کشی، فطرت نگاری اور نغمے کا زیر و بم دونوں نظموں میں مشترک ہے۔ دونوں نظموں سے ایک ایک بند پیش کیا جاتا ہے:

فصلِ بہار:

خیز کہ در باغ و راغ، قافلہ گل رسید
بادِ بہاراں وزید
مرغ نوا آفرید
لالہ گریباں درید
حسنِ گل تازہ چید
عشق غمِ نو خرید
خیز کہ در باغ و راغ، قافلہ گل رسید (۱۱)

موسمِ بہار:

ہزار ہا ہزار ہیں، ہزار ہا نگار ہیں
سرودِ آبشار ہیں
یہ سروِ جوئبار ہیں
کہ سوبہ سو نگار ہیں
فریبِ لالہ زار ہیں
ہزار ہا ہزار ہیں، ہزار ہا نگار ہیں (۱۲)

نغمۂ جاوید میں بعض ایسے تکنیکی اور ہیئتی نمونے بھی دکھائی دیتے ہیں جو اقبال کے امتیازات میں سے ہیں مثال کے طور پر:

۱۔ مکالماتی یا تمثیلی رنگ: دو افراد یا دو اشیا کے درمیان مکالمہ۔اسلم کی اس نوع کی نظموں میں ''مکالمہ''، ''غالب و اقبال''، ''گل و بلبل'' اور ''بچہ و شاعر'' تقلیدِ اقبال کے خوب صورت نمونے ہیں۔

۲۔ اُردو نظم یا بند کا آخری شعر فارسی میں: اقبال کے تتبع میں اسلم نے اپنی بعض نظموں میں اس تکنیک پر عمل کیا ہے۔ایک مثال دیکھیے:

خموشی عاشقوں کی نالۂ شب گیر ہوتی ہے
فغاں سے، آہ سے، ہر شے سے پُر تاثیر ہوتی ہے
اسی سے انتہائے عشق کی تعمیر ہوتی ہے
دلِ بے تابِ الفت کے لیے اکسیر ہوتی ہے
دلِ عاشق کُجا از لب کند بیروں فغانے را
بہ دردِ خود بسازد آشنا چوں یک جہانے را(۱۳)

[۴]

نغمۂ جاوید میں موضوعات کا تنوّع اور رنگا رنگی دیدنی ہے۔اسلم نے اقبال کی متابعت میں اپنی شعر گوئی کی صلاحیت کو محض ہجر و وصال کے افسانوں، عشق و محبت کی کہانیوں اور زلف و رخ کی مدح نگاریوں تک محدود نہیں رکھا۔اُنھوں نے مظاہرِ فطرت کے موضوعات پر جو نظمیں کہیں ان میں اسی فلسفیانہ رنگ و آہنگ کی جھلک پائی جاتی ہے جو اقبال سے خاص ہے۔مظاہرِ فطرت کا سپاٹ بیان اور اس کے ظاہری پیکر کی تصویر کشی اقبال کا مطمحِ نظر نہیں رہا، جیسا اقبال سے ماقبل کے شعرا مثلاً مولانا حالی، مولانا محمد حسین آزاد، نظم طباطبائی وغیرہ کے ہاں دکھائی دیتا ہے بل کہ انھوں نے سکوتِ لالہ و گل سے کلام کرنے اور مظاہرِ فطرت کے باطن میں جھانک کر کائنات کے اسرار و رموز کو جاننے اور سمجھنے کی طرح ڈالی۔اسلم نے بھی اقبال کی پیروی کرتے ہوئے مظاہرِ فطرت کے بیان میں محض اس کے خارجی خال و خط کو پیش نہیں کیا بل کہ اس کے باطن سے بھی مکالمہ کر کے رازِ دلِ کائنات کو سمجھنے اور جاننے کی سعی کی ہے۔اسلم کی نظموں میں ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی اور درماندگی کا دُکھ پوری شدت کے ساتھ موجود ہے؛انھوں نے جہاں مسلمانوں کی بے بسی، نکبت اور محکومانہ زندگی پر اشک افشانی کی ہے وہاں مسلمانوں کو ان کی بے حسی، بے کاری اور غفلت شعاری پر جھنجھوڑا بھی ہے۔جہاں ان کے تابناک ماضی کو یاد کیا ہے وہاں ان کے روشن مستقبل کے لیے بھی لائحۂ عمل تجویز کیا ہے۔اسلم کی نظمیں بیسویں صدی کے ابتدائی تین عشروں کے سیاسی، سماجی، ملی، تہذیبی اور مذہبی حالات و واقعات کا عمدہ اظہاریہ ہیں۔ان کی نظمیں صحیح معنوں میں اپنے عہد اور ماحول کی ترجمان اور نقیب ہیں۔ان کی فکر کی تعمیر و تشکیل میں اقبال کے افکار اور نظریات کی روشنی پوری طرح موجود ہے،انھوں نے اس اقبالی فکر کی ترسیل اور اظہار کے لیے اقبال ہی کے رنگِ سخن سے استفادہ کیا ہے۔ذیل میں ان کی نظموں اور غزلوں سے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں جو، ان کی فکر، فن اور اسلوب پر اقبال کے غیر معمولی اثرات کی شہادت پیش کرتے ہیں:

نور، ہستی بے خبر! زندانیِ پیکر نہیں
جو نمودِ صبح سے گُم ہو یہ وہ اختر نہیں
اس گلستاں میں کوئی شے روح سے بہتر نہیں
نقش یہ شرمندۂ احسان، پیکر گر نہیں
اشتراکِ موت سے ہوتی ہے عیدِ زندگی
ہے شکستِ پیکرِ انساں نویدِ زندگی
کارزارِ دہر میں ساماں طرازِ عشق ہو
پوچھتا ہے مجھ سے کیا رازِ ظہورِ زندگی
رازداں ہو جا خودی کا اے کلیمِ خود فروش

تیرے ہی پیکر میں پوشیدہ ہے طورِ زندگی (۱۴)

پوجتے ہیں دیو استبداد کو جس قصر میں
نام ہے اس کا کلیسا رُکن ہیں اہلِ فرنگ
گر نجاتِ ملتِ بیضا ہے اس نکتے سے ہے
ایک ہو جائیں مسلماں نیل سے تا آبِ گنگ (۱۵)

کیوں کر مٹے خلافت، باقی ہیں گر مسلماں
اس حرف میں نہاں ہے سود و زیاں ہمارا
ہم طائرانِ عرشی پستی میں آ گرے ہیں
یارب! ہو رفعتوں پر پھر آشیاں ہمارا (۱۷)

☆

خدا نے سطوتِ موسیٰ جو بخشی آلِ عثماں کو
خداوندانِ مغرب کی مٹی فرعون سامانی
اسی کا حکم جاری ہے نظامِ دہر میں ہر دم
نہ فغفوری ہی باقی ہے نہ جمشیدی نہ خاقانی
اسی شعلے سے جلتا ہے متاعِ کافری اسلمؔ
مسلماں ہے تو پیدا کر محبت کی فراوانی (۱۸)

☆

جن کی تکبیروں نے ڈالی تھی بنا توحید کی
روشنی جن کو نظر آئی سدا اُمید کی
"جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی"
کانپتے تھے جن کی ہیبت سے صنم خانے کبھی
تھے کبھی اندلس میں تو گاہے جہان آباد میں
چین کب پایا اُنھوں نے بصرہ و بغداد میں (۱۹)

☆

گو مسلمانی کا دعویٰ ہے مسلمانی بھی ہو
شمع تو باقی ہے لیکن نورِ تابانی بھی ہو
چھپ رہا ہے شرمِ رسوائی سے دینِ مصطفی
کہ رہے ہیں تم کو کافر کافرِ مومن نما
بت کدے میں معتکف ہیں آہ کعبے کے مکیں
ہو چکی ہے مزرعِ مذہب برہمن آفریں
نکتۂ ہجرت میں مسلم کی بقا کا راز ہے
الحذر قیدِ مقامی میں فنا کا راز ہے **(۲۰)**

اشعارِ غزلیات:

کس نے ڈالا ہے مری گردن میں طوقِ عاشقی
میں اسیرِ نالۂ آہ و فغاں کیوں کر ہوا **(۲۱)**

ٹپک پڑے عرقِ انفعال کے قطرے
کرم کرے تری رحمت گنہگار ہوں میں
چراغِ راہ ہوئی سوزشِ جگر مجھ کو
بہ شکلِ کرمکِ شب تاب آشکار ہوں میں **(۲۲)**

☆

پائمالِ صلیب ہے کعبہ
دیر رنگیں ہے خونِ غازی سے **(۲۳)**

☆

الٰہی خیر ہو تیرے حرم کے پاسبانوں کی
نظر آتا ہے پھر اُٹھتا ہوا طوفانِ تاتاری **(۲۴)**

☆

بے ذوق کلیموں کا شکوہ ہے محبت کو
پھر طُور کا جلوہ ہو پھر وادیِ سینا ہو
کل مجھ سے یہ کہتا تھا اک پیرِ صنم خانہ
ہر جا وہی پیدا ہے گر دیدۂ دل وا ہو **(۲۵)**

☆

قیصر کی حکومت سے میرے لیے بہتر ہے

یہ مشربِ زندانہ، یہ طرزِ فقیرانہ **(۲۶)**

حواشی وحوالے

(۱) شعرِ اقبال میں فن کاری کا عنصر [مضمون] مشمولہ : اقبال بحیثیت شاعر؛ رفیع الدین ہاشمی (مرتب)؛ لاہور؛ مجلسِ ترقیِ ادب؛ مارچ ۱۹۷۷ء؛ ص ۴۷۔

(۲) غور غشتی پٹھانوں کے ایک قبیلے "غور غشت" کے نام پر آباد ہے۔ نام ور محقق اور ادیب ڈاکٹر غلام مصطفی خاں کے اجداد اسی قصبے سے تعلق رکھتے تھے۔ دیکھیے : مکتوب ڈاکٹر غلام مصطفی خاں بہ نام خواجہ محمد خان اسد مشمولہ : خواجہ محمد خان اسد : احوال وآثار (مرتب) راشد علی زئی؛ حضرو ضلع اٹک؛ اسد اکیڈمی؛ دسمبر ۱۹۹۴ء؛ ص ۳۰۴۔

(۳) شیر محمد (ریٹائرڈ استاد، ساکن غور غشتی) سے ٹیلی فونک مکالمہ : بتاریخ ۹۔ ستمبر ۲۰۰۹ء۔

(۴) دامنِ اباسین؛ سکندر خان، ویسا ضلع اٹک؛ ملی کتب خانہ؛ بارِ سوم، ۲۰۰۴ء؛ ص ۲۱۰۔

(۵) ایضاً : ۲۱۱۔

(۶) نغمۂ جاوید؛ اسلم؛ نیا گاؤں، لکھنؤ؛ مختار پرنٹنگ ورکس؛ [۱۹۳۶ء]؛ ص ۶۶-۶۵۔

(۷) اصل نام غلام محمد ہے۔ یکم نومبر ۱۹۲۳ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں جالندھر سے بی اے کیا۔ گورنمنٹ کالج کیمبل پور [موجودہ اٹک] میں چھتیس سال کتاب دار رہے۔ محفلِ شعر وادب، اٹک اور مجلسِ نوادراتِ علمیہ کے بنیاد گزار اور معتمد۔ کئی کتابوں کے مرتب، مؤلف اور مصنف۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں :

☆نوادراتِ علمیہ (۱۹۶۳ء کی نمائش مخطوطات کی مفصل فہرست) ☆دیوانِ شاکر اٹکی (بہ اشتراک) ☆غایۃ الامکان فی معرفۃ الزمان والمکان؛ ☆قصۂ مشائخ ☆انتخابِ دیوانِ ظفر احسن ☆واماندگیِ شوق (مجموعۂ نعت) ☆لذت آشنائی (مکاتیبِ حافظ مظہر الدین مظہر) ☆طرحی نعتیہ مشاعرے ☆آفتابِ شوالک

(۸) مکتوب نذر صابری بہ نام راقم : مرقومہ ۲۰۔ اگست ۲۰۰۷ء۔

(۹) نغمۂ جاوید؛ ص ۱۲-۱۱۔

(۱۰) ایضاً : ص ۴۳-۴۲۔

(۱۱) پیامِ مشرق؛ لاہور؛ شیخ غلام علی اینڈ سنز؛ طبع پنجد ہم، ۱۹۷۸ء؛ ص ۹۲-۹۱۔

(۱۲) نغمۂ جاوید : ص ۶۸- ۶۷۔

(۱۳) ایضاً : ص ۸۱۔

(۱۴) ایضاً : ص ۴-۳۔

(۱۵) ایضاً : ص ۹۔

(۱۶) ایضاً : ص ۱۴۔

(۱۷) ایضاً : ص ۱۶- ۱۵۔

(۱۸) ایضاً : ص ۲۲- ۲۱۔

(۱۹) ایضاً : ص ۴۰۔

(۲۰) ایضاً : ص ۴۵۔

(۲۱) ایضاً : ص ۸۵۔

(۲۲) ایضاً : ص ۸۶۔

(۲۳)ایضاً: ص۸۹۔

(۲۴)ایضاً: ص۹۰۔

(۲۵)ایضاً: ص۱۱۲۔

(۲۶)ایضاً: ص۱۳۵۔